مقاصد شریعت کا فہم

عصری تناظر میں

UNDERSTANDING

Maqāṣid al-Sharīʿah

A Contemporary Perspective

مسفر بن علی القحطانی

IIIT Books-In-Brief Series

مقاصد شریعت کا فہم

عصری تناظر میں

مصنف

مسفر بن علی القحطانی

تلخیص: وانڈا کراوُز

مترجم

عقیدت اللہ قاسمی

اِنسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

© IIIT, 1445AH / 2024 CE
IIIT, P.O. Box 669, Herndon, VA 20172, USA ● www.iiit.org
P.O. Box 126, Richmond, Surrey TW9 2UD, UK ● www.iiituk.com

اس کتاب کے حقوق محفوظ ہیں۔ قانونی ضوابط اور متعلقہ اجتماعی لائسنس معاہدوں کی دفعات کے تحت اس کتاب کے کسی حصے کو ناشر کی تحریری اجازت کے بغیر دوبارہ شائع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ISBN: 978-93-80946-35-1

کتاب میں پیش کیے گئے خیالات کا ناشر کے خیالات سے ہم آہنگ ہونا ضروری نہیں ہے۔ کوئی تیسرا شخص کتاب کو ویب سائٹ یا کسی اور ذریعے سے عام کرتا ہے، تو اس کے مصدرِ اصلی کے مطابق ہونے کی ذمہ داری ناشر کی نہیں ہے۔

مقاصد شریعت کا فہم: عصری تناظر میں

(اردو)

Maqaside-e-Shariat ka Fahm: Asri Tanazur Mein

مسفر بن علی القحطانی

مترجم: عقیدت اللہ قاسمی

اصل کتاب Understanding Maqasid al-Shariah: A Contemporary Perspective کا ترجمہ
آئی آئی آئی ٹی کی مختصر کتابوں کا سلسلہ
اصل انگریزی کتاب آئی آئی آئی ٹی سے ۲۰۱۵ میں شائع ہوئی۔
ہندستان میں انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی سے پہلے اردو ترجمے کا سالِ اشاعت ۲۰۲۴

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز
162، جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-110025
email: ios.newdelhi@gmail.com / www.iosworld.org

تقسیم کار

الاتحاد پبلیکیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
B-35، نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-110013
Tel.: +91-11-41827475, 9315177399
email: alittehad@gmail.com

قیمت:- **Rs. 45/-**

فہرست

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ 5

پیش لفظ 7

تعارف 9

باب۱ 15-22

مقاصد شریعت کی آ گاہی اور فتوی کے عصری طریقوں کے لیے اس کی اہمیت 15

باب۲ 23-26

ثقافتی تبدیلیوں کے ذریعے مقاصد شریعت کا فہم 23

باب۳ 27-29

اہداف کا شعور اور مذہبی انتہا پسندی کا بحران 27

باب۴ 31-34

مقاصد کا شعور اور مسلم ذہن پر اس کا اثر 31

باب۵ 35-40

مقاصد کے شعور کا بحران اور معاشرتی عمل پر اس کا اثر 35

اختتامیہ 39

آئی آئی آئی ٹی مختصر کتب کا سلسلہ

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا یہ سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں خلاصے کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہو جائے۔ مختصر، پڑھنے میں آسان اور وقت کو بچانے والی یہ اجمالی تحریریں دراصل بڑی بڑی کتابوں کے انتہائی موزوں اور احتیاط سے تحریر کردہ خلاصے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتابچے قارئین کو اصل کتاب کے مطالعے پر ابھاریں گے۔

''مقاصد شریعت کا فہم عصری تناظر میں'' کے عنوان سے یہ کتابچہ اسلامی احکام کے اعلیٰ اغراض و مقاصد سے مطابقت رکھنے والے قانونی شعور کو فروغ دینے کی غرض سے ترتیب دیا گیا ہے۔ جس کا مقصد اسلامی نصوص کو سمجھنے کے لیے ایک نئے طریقۂ کار کی تشکیل اور مسلم افکار و اعمال کی اصلاح ہے۔

القحطانی نے ''مقاصد'' کی مختلف سطحوں کو سمجھنے کی اہمیت واضح کی ہے، جن میں **المقاصد الاصلية** یعنی بنیادی مقاصد اور **المقاصد الطبعية** یعنی مقاصد طبعیہ کے درمیان فرق و امتیاز بھی شامل ہے۔ انھوں نے اس امر پر بھی زور دیا ہے کہ شریعت کے مقاصد کا مثبت فہم مسلم معاشروں میں مثبت انسانی اور ثقافتی ترقی کو فروغ دے گا۔

اس کتاب کی اصل خصوصیت مصنف کی جانب سے شریعت کے اعلیٰ سطحی اغراض و مقاصد سے اصول قانون کے مختلف میدانوں میں کام لینے کی کوشش ہے، جیسے آج مسلم معاشروں کو درپیش اہم ترین سماجی مسائل اور چیلنجز سے متعلق دینی احکام اور ان کا اجرا یا فتویٰ دینا۔ ان میں

انتہا پسندی، جہاد، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، سماجی تبدیلی، مسلم فکر کا بحران مذہبی غلو کا مقابلہ تفریح طبع، شہریت، وطن سے وابستگی، اسلام کی جمالیت اور ہم آہنگی کا فروغ، اور مسلم معاشرے میں عورت کا کردار وغیرہ شامل ہیں۔

مسفر بن علی القحطانی کی درجہ ذیل اصل تصنیف کا مختصر ایڈیشن

UNDERSTANDING MAQASID AL-SHARI'AH:

A CONTEMPORARY PERSPECTIVE

ISBN hbk: 978-1-56564-668-1

ISBN pbk: 978-1-56564-666-7

2015

پیش لفظ

یورپ کے صنعتی انقلاب نے زندگی کے ہر گوشے کو متأثر کیا۔ اس سے فرد بھی متأثر ہوا اور معاشرہ بھی۔ ایک طرف نئے نئے مسائل سامنے آئے تو دوسری طرف انسانی زندگی مشینی زندگی میں تبدیل ہوگئی۔ عام انسان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں بچا کہ وہ اپنے گرد وپیش پر نظر ڈالے اور پیش آمدہ مسائل پر غور وفکر کرے۔ لیکن اس صورت حال کے نتیجے میں جدید مسائل کے انبار پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ روز بہ روز ایک نیا مسئلہ سر اٹھاتا اور اہل علم کو دعوتِ فکر وتحقیق دیتا رہا۔ الحمد للہ اہل علم نے اپنی ذمے داری کو محسوس کیا۔ نئے مسائل کو فکر اسلامی کے تناظر میں حل کرنے کی شان دار کوششیں کیں اور بڑے اہم موضوعات پر چھوٹی چھوٹی کتابوں کی شکل میں علمی وفکری مواد پیش کیا۔ گویا دریا کو کوزے میں سمو دیا، تاکہ ہر صاحبِ علم کے لیے ان سے استفادہ آسان ہو جائے۔

زیر نظر کتابچہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس میں عہد حاضر کے ایک سلگتے ہوئے موضوع پر بڑے علمی وفکری انداز میں قلم اٹھایا گیا ہے۔ موضوع کے تمام علمی گوشوں کا احاطہ کرتے ہوئے مصنف نے پوری مضبوطی کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر پیش کر دیا ہے، تاکہ موضوع کی اہمیت واضح ہو۔ اس کے مختلف گوشے سامنے آئیں اور عصری تناظر میں اس کو فکر وتحقیق کا موضوع بنانے کی راہ ہم وار ہو۔

ہمیں امید ہے کہ مختصر کتابوں کا یہ پورا سلسلہ وقت کے بہت سے اہم موضوعات پر علمی وتحقیقی مطالعے کی راہ ہم وار کرنے میں معاون ثابت ہوگا۔

ڈاکٹر محمد منظور عالم

چیئرمین

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

تعارف

یہ کتاب مقاصد شریعت کے علم کو عصری تقاضوں اور ضرورتوں کے مطابق استعمال کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اس قسم کی فکر کو مقاصد کی واقفیت قرار دیا جا سکتا ہے، جس میں اسلامی قانون کے مقاصد کو سمجھنے کی ضرورت ظاہر کی گئی ہے۔ اس طریقے سے ہم صحیح رخ پر تبدیلی اور واضح اصلاح کا کام انجام دے سکتے ہیں اور درپیش حقائق پر توجہ کر سکتے ہیں۔

عربی زبان کا لفظ ''مقاصد'' دراصل ''مقصد'' کی جمع ہے، جس کے کئی معانی ہیں: (۱) غرض، ہدف، کسی چیز پر نشانہ لگانا، منزل، اس کی طرف آنا، (۲) سیدھا راستا (۳) انصاف، اعتدال پر قائم رہنا اور بے اعتدالی دور کرنا بھی شامل ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقاصد ایسے امور واہداف ہیں، جن کو شریعت اپنے احکام میں پیش نظر رکھتی ہے اور جن کی طرف رہ نمائی کی کوشش کرتی ہے، جو توازن اور اعتدال پر مبنی ہے۔

تمام احکام اور قوانین کا مقصد ایک مفاد کو حقیقت کے طور پر پیش کرنا، ضرر ونقصان کو دور کرنا یا کسی کو برائی یا ظلم وزیادتی سے آزاد رکھنا ہے۔ غرض یہ کہ شریعت کے مقاصد اور خوشی کے عام اہداف کو حقیقت کی شکل میں پیش کرنا، امن وقانون کی صورت حال کا تحفظ اور نوعِ انسانی کو تہذیب وتمدن، خیروخوبی اور تکمیل کے اعلیٰ مقام تک پہنچانا ہے۔ قانون سازی میں ہر چیز مفادات کو یقینی بنانے کے لیے ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ اس کا مقصد فائدہ کو حقیقت کا رنگ دینا ہے، خواہ فوری طور پر ہو یا دوررس اثرات کی شکل میں ہو اور اس کی تمام شکلیں ضرر ونقصان اور برائی کو روکنے کے لیے ہیں۔

قانون اور اس کی حکم رانی کی بنیادوں کا تفصیلی مطالعہ اور منطقی نتیجہ اس امر کو واضح کرتا ہے کہ یہ ان مقاصد کی توثیق کرنا ہے، جو دنیا اور آخرت دونوں جہاں میں نوع انسانی اور اس کی فلاح وبہبود کو فروغ وترقی دیتے ہیں۔ اول یہ کہ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن کریم میں ہمیں مختلف مقامات پر بتاتا ہے کہ ''وہ حکیم ہے۔'' اس کی طرف منسوب ہر امر کے لیے ضروری ہے کہ اس کے

احکام کو بامقصد وبامعنیٰ تسلیم کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے کہ وہ بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔اس نے اپنے بندوں کے لیے جوبھی احکام وقوانین بنائے ہیں، ان سب کے ذریعے وہ ان پر رحم وکرم کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہے۔ تیسرے قرآن مجید میں بہت ساری آیتیں ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ ہمیں بتاتا ہے کہ ''اس نے فلاں، فلاں کو اس وجہ سے بنایا ہے۔'' چوتھے قرآن کی بہت ساری آیتیں اور رسول اللہ کی بہت ساری حدیثیں شریعت کے بہت سے عام اور واضح مقاصد کی وضاحتیں کرتی ہیں، جن میں لوگوں کو غیر ضروری سختیوں اور دشواریوں سے بچانا بھی شامل ہے۔ پانچویں بہت سی آیتیں نوع انسانی کے تمام مفادات اور فلاح و بہبود کا احاطہ کرتی ہیں۔

اس سلسلے میں بہت سارے منطقی دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں: اول حکمت اور اچھے مقاصد سے خالی احکام صرف وہی ذات دے سکتی ہے، جو اس حقیقت سے بے خبر ہو کہ وہ خود کیا کر رہا ہے؟ یا جو اس طرح کے مقاصد کو پورا نہ کرسکتا ہو، ان کا اطلاق اس ہستی پر نہیں ہوسکتا، جو تمام چیزوں کا علم رکھتا ہو اور یہ صورت اس ہستی سے ممکن نہیں، جو ہر چیز پر قادر ہو۔ دوسرے اس امر پر زور دینا ہی قابل فہم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتا ہے۔ تیسرے اللہ تعالیٰ اس گروہ انسانی کو عزت سے سرفراز کرتا ہے، جو اپنی فلاح و بہبود کو قائم اور برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ چوتھے یہ بات عام طور پر تسلیم کی گئی ہے کہ جس نظام کے مقاصد فائدہ پہنچانے یا نقصان سے بچانے والے نہ ہوں، وہ نظام ناکام ہے اور وہ نافذ کرنے کے لائق نہیں ہے۔

مقاصد شریعت کی درجہ بندی کی تین صورتیں ہیں: پہلی صورت ان مفادات پر مبنی ہے، جن کی اسلام حفاظت کرنا چاہتا ہے۔ پھر یہ صورت مقاصد شریعت کو تین زمروں میں تقسیم کرتی ہے: (۱)**مقاصد ضرورية** یعنی لازمی اور ضروری، (۲)**مقاصد حاجية** یعنی ہنگامی یا فوری، (۳)**مقاصد تحسينية** یعنی عمدگی واحسان۔

مقاصد ضروریہ وہ امور ہیں، جو دیانت دارانہ زندگی (درحقیقت خود زندگی) کو ممکن بناتے ہیں۔ دین اسلام کے علما (امام غزالی، ابن عبد الشکور، ابن السبکی اور ابن النجار الفتوحی) نے ان مقاصد کو دین، نفس، عقل، نسل اور مال کے طور پر متعین کیا ہے۔ اسلامی قانون ان لازمی امور کے

تحفظ کے لیے ہے۔

ہنگامی مقاصد وہ امور ہیں، جو لوگوں کو سختی و دشواری سے نجات دلاتے ہیں۔ اسلامی قانون کی بنیاد سہولتوں پر اور سختی و پریشانیوں کو دور کرنے پر ہے، خواہ ان کا تعلق عبادات سے ہو یا روزمرہ کی روایات یا رسم ورواج سے، ان کا تعلق معاشرتی و مالیاتی معاملات سے ہو یا قانونی تعزیرات کے عمل سے۔ اس لیے کہ یہ وہ امور ہیں، جن کی عدم موجودگی صرف پریشانیاں پیدا کرے گی، لوگوں کی عبادتوں میں خلل ڈالے گی یا ان کی پرسکون زندگی میں دشواریاں اور الجھنیں پیدا کرے گی۔ ہنگامی مقاصد کی اہمیت مقاصد ضروریہ کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

مقاصد تحسینیہ وہ امور ہیں، جو کسی شخص کی بقا کے لیے ضروری تو نہیں ہیں، پھر بھی وہ زندگی کو سہل، آسان اور پرلطف بناتے ہیں۔ مثال کے طور پر ''افراد'' اور ''معاشرے'' کا شائستہ طور وطریقے اور اچھے اخلاق کو اختیار کرنا زندگی میں ممکنہ طور پر سب سے اعلیٰ وعمدہ راستے پر چلنے کی کوشش ہے۔ ایک ایسا راستا، جس کے ذریعے لوگ اپنے کردار واعمال دونوں کو بہتر بنانا چاہتے ہیں۔ تاہم اگر تفریح و دل کشی کی صورتیں اختیار نہ کی جائیں تو اس سے کسی کو نہ کوئی نقصان ہوگا اور نہ ہی کوئی سختی و دشواری پیش آئے گی۔ مقاصد ضروریہ ہی دراصل مقاصد حاجیہ اور مقاصد تحسینیہ کے لیے قانون کی بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

مقاصد شریعت کی درجہ بندی کی دوسری قسم کسی مسئلے کی اہمیت اور فوری توجہ کی سطح، نیز مزید دو قسم کی درجہ بندی پر مبنی ہے۔ پہلی قسم **المقاصد الاصلیة** پر مشتمل ہے۔ یہ وہ مقاصد ہیں، جو قانون دینے والے کا سب سے بنیادی مقصد ہے۔ ایک نہایت بنیادی مقصد کسی مفاد کو اس مقصد سے زیادہ حیثیت واہمیت دیتا ہے، جو بنیادی نہیں ہوتا۔ ضروریہ وعینیہ کا یہ گروہ ان فرائض پر مشتمل ہے، جو ہر مسلمان سے انفرادی طور پر مطلوب ہے۔ ہر مسلمان کو انفرادی طور پر اعتقاد اور عمل کی شکل میں اپنے دین کی حفاظت کرنے کا اور خود اپنی روح، زندگی کے حقوق کا ذاتی اور عوامی زندگی، دونوں میں تحفظ کرنے کا حکم ہے۔[1]

یہ پہلی قسم ضروریات کفائیہ قرار دی جاتی ہے، جن میں وہ اعمال شامل ہیں، جو کسی سماج کے عام مفادات اور معاشرتی نظام کا تحفظ کرتے ہیں۔ ضروریات کفائیہ، مثال کے طور پر ان لوگوں

کے عمل سے پوری کی جاتی ہیں، جو بااختیار حیثیت رکھتے ہیں اور جو دین اور لوگوں کے حقوق کا ذاتی اورعوامی میدان دونوں جگہ تحفظ کرتے ہیں۔

مقاصد شریعت کی تقسیم کی دوسری قسم وہ مقاصد طبعیہ یا ثانوی مقاصد ہیں، جو بنیادی مقاصد کو اصل حیثیت عطا کرتے ہیں۔ ثانوی مقاصد کی پھر تین قسمیں ہیں، جو بنیادی مقاصد کی تصدیق کرتے اوران کی مدد کرتے ہیں: پہلی قسم میں وہ مقاصد شامل ہیں، جو بنیادی مقاصد کو پرکشش بنا کر انھیں تقویت پہنچاتے ہیں۔اس کی ایک مثال شادی ہے، جو ثانوی مقصد ہے اور جس کا ایک بنیادی مقصد افزائش نسل ہے۔

دوسری قسم میں ثانوی مقاصد شامل ہیں، جو بنیادی مقاصد کو منسوخ کر دیتے ہیں اور جو اس وجہ سے بے کار ہیں۔اس کی ایک مثال وہ شادیاں ہیں، جن کے ذریعے ایک عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دوبارہ شادی (حلالہ) کر سکتی ہے اور عارضی شادی (نکاح متعہ)، یہ دونوں بھی شادی کے بنیادی مقاصد یعنی افزائش نسل کے خلاف ہیں اور ازدواجی مسرت کے رشتے پر تکمیل کو پہنچتی ہیں۔

تیسری قسم میں وہ ثانوی مقاصد شامل ہیں، جو نہ تو دوسری قسم کی طرح بنیادی مقصد کو تقویت پہنچاتے ہیں اور نہ ہی انہیں منسوخ کرتے ہیں۔ ثانوی مقاصد کی اس قسم میں وہ شادیاں شامل ہیں، جو دوسرے مرد یا عورت کو نقصان پہنچانے کی نیت سے کی جائیں، یعنی اس کی دولت غصب کرنے یا کسی دوسری غرض سے۔ اگرچہ یہ ازدواجی زندگی کے جاری رہنے کے لیے خطرہ پیدا کر سکتی ہے، لیکن اس کے جاری نہ رکھنے کی ضمانت نہیں دیتی۔

مقاصد شریعت کی درجہ بندی کی تیسری صورت اس حد پر مبنی ہے، جس کا اسلامی قانون کے مختلف احکام احاطہ کرتے ہیں۔ اس درجہ بندی کی تین قسمیں ہیں: (۱) مقاصد عامہ، (۲) مقاصد خاصہ، (۳) مقاصد جزئیہ۔

مقاصد عامہ وہ امور ہیں، جو شرعی قوانین کے تمام یا اکثر میدانوں میں نظر آتے ہیں۔ پانچ لازمی امور، جو دین، نفس، عقل، نسل اور مال کا تحفظ شریعت کے عام امور میں شامل ہے۔

مقاصد خاصہ وہ امور ہیں، جو کسی خاص قسم کے حکم کے ساتھ یا ایک دوسرے سے متعلق احکام کے ساتھ مخصوص ہوں، جیسے: مقاصد عبادات، مقاصد معاملات یا مقاصد جنایات۔ اسی طرح

وہ شرعی قانون کے کسی خاص میدان کے امور بھی ہو سکتے ہیں، جیسے: طہارت، بیع وغیرہ۔

مقاصد جزئیہ وہ امور ہیں، جو کسی خاص مسئلے سے متعلق ہوں۔ مقاصد عامہ اور مقاصد خاصہ کے درجوں کا تعلق شریعت سے یا تو کلی طور پر ہوتا ہے یا کسی خاص میدان سے متعلق صورتوں سے، جیسے: طہارت یا تعزیری قوانین وغیرہ۔ جب کہ جن امور کو ہم مقاصد جزئیہ قرار دیتے ہیں، وہ کسی خاص مسئلے سے متعلق ہوتے ہیں یا کسی خاص ثبوت سے، جس سے اسلامی قانون کا کوئی بڑا مقصد پورا ہوتا ہے۔

باب ۱

مقاصد شریعت کی آگاہی اور فتویٰ کے عصری طریقوں کے لیے اس کی اہمیت

مسلمانوں کو جس طرح مسلسل بدلتے ہوئے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان میں مفتیوں یعنی ایسے افراد کی بہت زیادہ ضرورت ہے، جو فتویٰ دینے کے اہل اور مجاز ہوں۔ لیکن ایسے نااہل فتویٰ دینے والے افراد کی تعداد بڑھتی جارہی ہے اور اس طرح کے نام نہاد ہر جگہ آسانی سے مل جاتے ہیں۔ اس لیے میں یہاں مقاصد شریعت کے سلسلے میں کچھ وضاحت پیش کر رہا ہوں، جن کا تعلق فتویٰ جاری کرنے سے ہے، خاص طور سے عصری مسائل کے سلسلے میں۔

اسلامی قانون کا مقصد نہ تو لوگوں پر سختی اور غیر ضروری پابندیاں عائد کرنا ہے اور نہ ہی انھیں ہر خواہش پوری کرنے کے لیے آزاد چھوڑنا ہے کہ وہ اپنی محض مرضی کے تابع ہو کر رہ جائیں۔ اس لیے میرا مقصد ان طریقوں اور راستوں کی وضاحت کرنا ہے، جن میں یہ قانون مسلمانوں کے لیے سہولتوں کو فروغ دیتا ہے اور ایسے اصولوں کو پیش کرتا ہے، جن کی طرف یہ عظیم مقصد قطعی رہ نمائی کرتا ہے۔ یہ ایسی وضاحت ہے، جس سے یہ ظاہر ہو کہ کسی حکم یا مسئلے کو کس طرح طے کیا جاتا ہے؟ اس طرح میں ان سے زیادہ سے زیادہ ایسے فائدوں کی توقع کرتا ہوں، جو یہ قانون اللہ کے بندوں کو اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پیش کرتا ہے۔

ذیل کی گفتگو میں مقاصد کے حوالے سے اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ انفرادی اور اجتماعی سطح پر بڑھتے ہوئے نئے نئے واقعات اور حالات کے سلسلے میں کیسے فتاویٰ جاری کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے؟ اور یہ کیفیت انتہا پسندی اور بہت زیادہ نرمی کے بیچ کے راستے اور ایک متوازن فکر کا تقاضہ کرتی ہے۔

فتویٰ جاری کرنے کا عمل بہت اہم کردار ادا کرتا ہے، جو فتاویٰ دیے جاتے ہیں، وہ مسلمانوں کی زندگیوں پر بہت اہم اثر ڈالتے ہیں اوران کے ذریعے جو رہ نمائی کی جاتی ہے وہ مادی اور روحانی دونوں سطح پر اہمیت رکھتی ہے اور جو شخص نئی پیدا ہونے والی صورت حال پر فتویٰ دینا چاہتا ہو، اس میں اس کام کی پوری اہلیت ہونی چاہیے۔ لوگ مفتیوں اوراہل علم سے غیر معروف یا خطرناک واقعات اور حل نہ ہونے والے تنازعات یا مشکل مسائل کا حل معلوم کرتے ہیں۔ خاص طور پر موجودہ دور میں جہاں زبردست الجھنیں، پریشانیاں اور تیزی سے پیدا ہونے والی تبدیلیاں پائی جاتی ہیں۔ مفتیوں کا فرض ہے کہ وہ جو بھی کام کریں، وہ سخت ضابطے کے تحت ہوں اوراس طرح کے کام ایسے لوگوں کے حوالے نہ کیے جائیں، جوان کو معمولی اور سرسری سمجھتے ہوں اور جوان کوانجام دینے کی شرائط پوری نہ کرتے ہوں۔

اللہ کے رسول ایسے بہت سے کاموں سے احتراز کرتے تھے جو مسلمانوں پر بوجھ بن سکتے تھے، لیکن فتویٰ کے میدان میں عصری مسائل کے سلسلے میں ایسی صورت حال پیدا ہو رہی ہے، جو نرمی اور سہولت کو غیر ضروری طور پر ختم کر رہی ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر بہت سے ماہرین قانون اسلام کو زیادہ سے زیادہ پرکشش بنانے کی امید پر قانونی احکام کو ہر ممکن طرح سے نرم بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سہولت (تیسیر) اور رعایت و چھوٹ دینے پر زور دینے کی وجہ سے بہت سی ایسی بے اعتدالیاں سامنے آنے لگی ہیں، جو اس فکر کے کچھ ماہرین قانون کے لیے بہت سے اسلامی نصوص کو مسترد کرنے یا زبان و بیان اور قانون کے لحاظ سے ان کی غلط تشریح کا سبب بن جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نئے نئے امور پر جاہل و ناواقف لوگوں کو حکم چلانے یا قرآن کریم کی اپنی تشریح پیش کرنے کی اجازت دینے کے خطرات سے خبردار کیا ہے۔ کیوں کہ اس سے دین کو اور اس پر عمل کرنے والوں دونوں کو زبردست نقصان ہوسکتا ہے۔

عصر حاضر میں فتویٰ کے میدان میں دو متضاد تصورات پائے جاتے ہیں: ایک انتہا پسندانہ سختی و تنبیہ اور دوسرے غیر معتدل نرمی۔ خلاف اعتدال سختی اور تنبیہ حسب ذیل امور نے پیدا کی ہے: (۱) دین کے کسی خاص مکتب فکر کے حق میں یا کچھ خاص نظریات یا اہل علم افراد کے حق میں غیر مصلحانہ جانب داری، (۲) دینی احکام کے سطحی لفظی مفہوم، (۳) سد الذرائع کے اصول پر

غیر اعتدال پسندانہ اصرار، جس کے ذریعے ہر اس چیز کو ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے، جو کسی ممنوع عمل کی طرف لے جانے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

غیر مصلحانہ رویہ اختیار کرنا دینی تعصب ہے۔ دینی تعصب اس غلط عقیدے یا خیال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ دینی تشریح کے سلسلے میں وہ شخص، جو کچھ کہتا یا سمجھتا ہے، صرف وہی صحیح ہے۔ جس کے نتیجے میں یہ عقیدہ یا خیال سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو ختم کرنے کا خطرہ پیدا کر دیتا ہے۔ خود اپنے بارے میں غیر حقیقی بلند خیالی اور احساس برتری پیدا کر دیتا ہے اور مخالف یا مدمقابل نظریات رکھنے والوں سے دشمنی وعناد پیدا ہو جاتے ہیں۔ کوئی بھی ماہر قانون، فقیہ یا مفتی، جو اس طرح کے خیال ونظریے کا حامل ہو گا، وہ انتہا پسندانہ طریق کار اختیار کرے گا اور دوسروں پر اپنے نظریات تھوپنے کی کوشش کرے گا۔ خود اپنے علاوہ دوسرے مکتب فکر کے نظریات پر پابندی لگانے کی کوشش کرے گا خواہ ان کے پاس اپنے حق میں کتنے ہی اچھے شواہد اور دلائل کیوں نہ موجود ہوں۔

اگر ماہر قانون یا مفتی احکام کے سلسلے میں زیادہ نرم روی اختیار کرتے ہیں اور رواداری سے کام لیتے ہیں تو یہ لوگوں کو ناقابل برداشت ممانعتوں کے بوجھ تلے دبا دینے کے مقابلے میں بہتر ہو گا۔ اس کی ایک مثال حج کے لیے آنے والوں کے سلسلے میں اختیار کیے گئے طریقے میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مکے میں حج کے لیے آنے والوں کی تعداد میں تیزی کے ساتھ اضافہ ہو رہا ہے، جس کے نتیجے میں مجمع بہت زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ پریشانی اور بار بار بھگدڑ کے واقعات پیش آ رہے ہیں، جس میں بہت سے لوگوں کی جانیں بھی چلی جاتی ہیں۔ اس صورت حال میں بہت سے اہل علم کو کئی مسائل میں اپنے نظریات میں نرمی اختیار کرنی پڑی۔ انھوں نے لوگوں کو سختی اور پریشانیوں سے بچانے کے لیے عام طور پر معروف ہوئی تعلیمات کے خلاف فیصلے کیے۔

مثال کے طور پر عید الاضحیٰ کے بعد کے تین دن کے دوران کنکریاں مارنے کا عمل ہے جو ۱۱/۱۲/اور ۱۳/ ذی الحجہ کی دوپہر کو شروع کر کے غروب آفتاب تک ادا کیا جاتا ہے۔ فقہا کی اکثریت کا کہنا ہے کہ ''غروب آفتاب کے بعد کنکریاں مارنا جائز نہیں ہے۔'' لیکن بعض صاحب فہم ماہرین شریعت اور فقہا ومفتیوں کی رائے یہ رہی ہے کہ رات ہو جانے کے بعد بھی کنکریاں مارنا جائز ہے، جس سے حج کا فریضہ ادا کرنے والوں کو اس مجمع سے بچایا جا سکتا ہے، جو دن کے

وقت ہوتا ہے۔ حالیہ برسوں میں اس تقاضے کی وجہ سے اگر کنکریاں مارنے کا عمل صرف دوپہر کے بعد انجام دیا جائے تو سختی، کش مکش، کھینچ تان اور پریشانی پیدا کرتا ہے۔ اس کے پیش نظر اس عمل کو دوپہر سے پہلے مکمل کر لینے کی اجازت پر غور کرنے کا اچھا سبب ہو سکتا ہے، خاص طور سے فریضۂ حج ادا کرنے والے ان لوگوں کے لیے جو وقت کی کمی کی وجہ سے ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ سے جانے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ حج کے مناسک جہاں پیغمبر کی اطاعت و پیروی پر مبنی ہیں، وہیں ان کا مقصد فریضۂ حج ادا کرنے والوں کو ممکنہ حد تک آسانی اور سہولت فراہم کرنا بھی ہے۔ حقیقت میں اصحابِ رسول اللہ کے بعد آنے والوں میں سے کچھ ممتاز ماہرین قانون نے کنکریاں مارنے یا رمی جمار کے عمل کی دوپہر سے پہلے اجازت کی حمایت کی ہے اور یہ حکم حنفی مکتبۂ فکر نے اختیار کیا ہے۔ عصر حاضر کے ماہرین قانون کو لوگوں کے مفاد اور خیر خواہی میں بدلتے ہوئے حالات کے لحاظ سے فتویٰ جاری کرنے کی ضرورت ہے۔

اسی طرح جب کوئی شخص دینی احکام کے سطحی، لفظی معانی سے چمٹا رہتا ہے، نہ پیغام کی گہرائی کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اور نہ ہی مقاصد کی تہہ میں جاتا ہے تو نتائج غلط نکلتے ہیں اور تحریف واقع ہوتی ہے۔ دین کے قانونی نصوص کو دیکھنے کا یہ طریقہ بہت سے جائز کاموں کو روکنے، ممنوع قرار دینے، حصول تعلیم کے بہت سے راستے بند کرنے اور بہت سے لوگوں کو اس بنیاد پر اسلام سے خارج کرنے کا سبب بنا ہے کہ انھوں نے اسلامی نصوص کے ظاہری مفہوم کی خلاف ورزی کی ہے، جس کے نتیجے میں بہت سی تکلیفیں، پریشانیاں اور سختیاں پیدا ہوئی ہیں۔ اسی طرح کے معاملات خارجیوں کی تحریک کو پیش آئے کہ انھوں نے پیروی کرنے والوں اور غیروں دونوں کے لیے پریشانیاں پیدا کیں اور یہی معاملہ ظاہریہ کا ہوا۔

سدالذرائع کے اصول پر اصرار نے اکثر مقاصد شریعت کے سلسلے میں الجھنیں پیدا کی ہیں۔ کیوں کہ یہ فوائد حاصل کرنے اور نقصان سے بچنے کے عام اصول کی ضد ہے، جس پر شریعت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ تاہم اسی طرح کا ایک مسئلہ اس وقت پیدا ہو جاتا ہے، جب اس اصول کا بیجا استعمال نقصان کے خیالی ذریعے تک پہنچا دیتا ہے اور اسے زیادہ وقیع مفادات کے بالمقابل اہم سمجھ لیا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ایک ماہر قانون یا فقیہ مفاد کا دروازہ بند کر دیتا ہے

اور نادانستہ طور پر شریعت کے مقاصد کی خلاف ورزی کر بیٹھتا ہے۔ اس رجحان کی مثالوں میں انگوروں کی کاشت اس اندیشے کے تحت ممنوع قرار دے دینا ہے کہ انھیں شراب بنانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے یا پڑوسیوں کو اس اندیشے کے تحت ایک دوسرے کے زیادہ قریب رہنے سے منع کر دینا کہ کہیں ناجائز جنسی تعلقات نہ قائم ہو جائیں۔ اسی طرح کی مثالوں میں عورتوں کو گھر سے باہر کام کرنے سے منع کرنا یا تمام بینک کاروباروں کو اس اندیشے سے خلاف قانون قرار دے دینا کہ سود کے کاروبار میں شامل ہو سکتے ہیں۔

منظرنامے کے دوسرے پہلو پر ہم احکام میں آسانی اور سہولت پر بہت زیادہ توجہ مرکوز پاتے ہیں۔ اس طرح کا تصور درج ذیل امور سے نمایاں ہوتا ہے:

(۱) انسانی مصلحت و مفاد کے نظریے پر غیر ضروری اعتماد، یہاں تک کہ جب یہ مفہوم اسلام کے قانونی حکم کے خلاف بھی جا رہا ہو۔

(۲) رخصت کا بیجا استعمال اور ایک فقہی مکتب فکر کو دوسرے کے ساتھ ملا دینا۔

(۳) اسلامی قانون کی پابندیوں میں فقہی موشگافیاں

جب مصلحت اور مستند ثبوتوں نیز اجماع کے درمیان تضاد پایا جائے تو زیادہ زور مصلحت پر دیا جائے گا۔ پھر بھی عصر حاضر کے بعض ماہرین قانون، فقہا اور مفتی مصلحت پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں، خواہ اس کے سبب فتویٰ میں مستند شواہد سے تصادم ہی کیوں نہ پایا جائے۔ اس کی مثال وہ فتویٰ ہے، جو مصر کے ایک سابق مفتی نے کسی بینک سے سود لینے کے جواز کے لیے جاری کیا تھا۔ حالاں کہ اس طرح کا سود بہت بڑھا چڑھا کر لینا معلوم ہے اور اس کے باوجود کہ اس طرح کا فتویٰ مستند شواہد کے بالکل خلاف ہے۔

مزید یہ کہ قرآن اور سنت کی فراہم کی ہوئی قانونی سہولتوں سے کسی کا فائدہ اٹھانا کسی بھی طرح غلط نہیں ہے۔ دراصل خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ سہولتوں سے فائدہ اٹھانے پر وہ ہم سے اسی طرح سے خوش ہوتا ہے، جس طرح اس کے احکام و ہدایات پر عمل اور اطاعت سے خوش ہوتا ہے۔''(۲) تاہم کچھ علما کسی خاص تشریح پر مبنی سہولتوں ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں یا کسی دوسرے فقہی مسلک سے عاریتاً لیے ہوئے دوسرے نقطۂ نظر کو اختیار

کرتے ہیں، جس پر انحصار کرتے ہوئے وہ نرم روی کا حکم جاری کرتے ہیں۔

احکام کو اختیار کرنے کے مسئلے پر مختلف موقف ہیں۔ اگر ایک مجتہد کے ذریعے اختیار کی ہوئی رائے دوسرے مجتہدوں کی اختیار کی ہوئی رائے سے بہتر ثابت ہوتی ہے تو ایک عام آدمی کو یہ رائے اختیار کر لینی چاہیے کہ لوگوں کو دوسرے علما کی سہولتوں سے بغیر کسی واضح جواز اور ضابطے کے فائدہ اٹھانا جائز نہیں ہے۔ مزید یہ کہ جہاں ایک عام آدمی کو اس کی پسند کے مفتی یا مجتہد کی جائز قرار دی ہوئی سہولتوں کو اختیار کرنے کا حق ہوسکتا ہے، خود مجتہد یا مفتی کو اپنا فتویٰ اپنی تحقیق اور اجتہاد کی بنیاد پر ہی دینا چاہیے۔ (۳)

بعض علما نے کہا ہے کہ ایک شخص اپنی پسند کے کسی عالم کی رائے اختیار کرسکتا ہے۔ لیکن وہ ایسا صرف کسی دباؤ اور مجبوری کے تحت ہی کرسکتا ہے اور اس صورت میں کرسکتا ہے، جب کسی خودغرضی یا مفاد پرستی میں مبتلا نہ ہو۔ بعض علما نے سہولتیں حاصل کرنے کی کوشش کو عام لوگوں کے لیے بھی ممنوع قرار دیا ہے۔ تاہم نرم روی کا طریق کار سہولتیں حاصل کرنے پر مبنی خواہشات کی تکمیل کے رجحان کو فروغ دیتا ہے اور اس نظام کی خلاف ورزی کا سبب بنتا ہے، جس کا شریعت تحفظ کرنا چاہتی ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا کہ اسلامی قانون کی ممانعتوں کا فقہی دفاع نرم موقف اور بہت زیادہ سہولت پر مشتمل ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے بعض مفتی یہ غلطی کرتے ہیں کہ وہ ان اعمال کو سند جواز عطا کر دیتے ہیں، جو قانونی طور پر ممنوع ہیں۔ اس طرح کے اعمال میں ادھار پر فروختگی کی جدید شکلیں بیع عینہ، بینک کے ذریعے کاروبار، جس میں بہت زیادہ سود کا لین دین ہوتا ہے۔ لوگوں کو زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دینے کی حیلہ ودھوکہ دہی کی شکلیں یا قرض ادا کرنے میں ناکامی کو سند جواز پیش کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ یہ سب قانونی حیلہ بازی کی مثالیں ہیں اور شریعت ان پر ملامت کرتی ہے۔

اس کے باوجود بعض ایسی صورتیں موجود ہیں، جن میں قانون اخلاقی طور پر ذمے دار مسلمانوں کے لیے نرم روی اور ایسے اصولوں کی تائید کرتا ہے، جو اس عظیم مقصد کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان مقاصد میں اس امر کو یقینی بنانا شامل ہے کہ حکم علم اور انصاف پر مبنی ہے۔ اس سلسلے

میں علما کو مسئلے پر باہم مشورہ کرنے اور احتیاط کے ساتھ کام لینے کی ضرورت ہے۔ علما کو کوئی قانونی حکم یا فتویٰ جاری کرنے سے پہلے معاملے کی پوری تحقیق کرنی چاہیے، جس میں سہولت سے فائدہ اٹھانا شامل ہے۔ اس سلسلے میں جدید دور کے چیلنجوں اور پھر نئی صورت حال کو سمجھنا ضروری ہے، جو اس دور کی نوعیت کو ظاہر کرتی ہے، جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں اور جس میں مختلف قسم کے مسائل سے نمٹنے کے لیے وضع کیے ہوئے نظریات اور سائنٹفک و ٹیکنالوجیکل حل پر مبنی ترقیات کا آزادانہ تبادلہ ہو رہا ہے۔

علما کو نرم روی کے نظریے کی تصدیق و توثیق کے حق میں حکم بیان کرتے ہوئے تمام متعلقہ مستند شواہد اور قابل عمل قوانین کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ علما کو ممنوعہ عمل کے مقابلے میں کسی عمل سے متعلق فیصلہ کرتے ہوئے دوسری جائز صورت پیش کرنی چاہیے۔ مفتی دوسرا مناسب و جائز راستا دکھاتے وقت کچھ ممانعتیں جاری کرے یا ان کے پیچھے معقول مقاصد کی وضاحت کے لیے بھی تیار رہے۔

ماہرین فقہ اسلامی کو اجتہاد کرتے ہوئے یا قانونی حکم جاری کرتے ہوئے اس امر کو یقینی بنانے کے لیے کہ آدمی جائز اور اسلامی نقطۂ نظر سے معروف انسانی مفادات کو تسلیم کر لے، واضح رہ نما اصولوں پر عمل کرنا چاہیے۔ یہ رہ نما اصول مفتی کے سلسلے میں اس امر کا تقاضہ کرتے ہیں:

(الف) اسلامی قانون کے مقاصد میں انسانی مفادات کو شامل کرنا چاہیے۔

(ب) اس امر کو یقینی بنانا چاہیے کہ زیر بحث مفاد کسی قانونی حکم سے نہ ٹکراتا ہو۔

(ج) اس امر کی تصدیق و توثیق کرنی چاہیے کہ زیر بحث مفاد معروف ہے یا کم از کم یہ کہ اس کے جواز کے لیے یقینی شواہد موجود ہیں۔

(د) اس امر کا پتا لگانا چاہیے کہ زیر بحث مفاد اپنی نوعیت کے لحاظ سے عالمی یا عام ہے۔

(ہ) اس امر کو یقینی بنانا چاہیے کہ زیر بحث مفاد پر غور و فکر مساوی یا زیادہ اہمیت رکھنے والے دوسرے مفاد کو نقصان نہ پہنچائے۔

ماہر قانون، فقہا اور مفتی اس امر کے بھی پابند ہیں کہ سختی اور نقصان سے راحت پہنچانے کے اصول کو پیش نظر رکھیں۔ اخلاقی طور پر ذمے دار افراد کو ان سے متعلق اسلامی قانون کے تقاضوں

کے سلسلے میں سختی سے بچائیں[۴] یعنی کوئی ایسا فتویٰ جاری نہ کریں، جس پر عمل، متعلقہ افراد پر غیر ضروری سختی تھوپ دے۔ فقہا اور مفتیوں کو اس سوال پر لازمی طور سے غور کرنا چاہیے کہ کسی حکم پر عمل مطلوبہ مقصد کو پورا کرتا ہے یا نہیں اور اسی طرح کوئی نرم حکم جاری کرنے کے نتائج پر قبل از وقت ضروری توجہ دینی چاہیے۔

علما کو زیادہ نرم روی پر مبنی حکم پر عمل کے سلسلے کی عام طور سے تسلیم شدہ رسوم وروایات کی بھی تحقیق وتفتیش کرنی چاہیے۔ یہاں رسوم وروایات سے ہماری مراد وہ امور ہیں، جو لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ جاتے ہیں اور جو پختہ ذہنوں کے لیے قابل قبول اور طبیعت کا حصہ بن جاتے ہیں۔[۵] آخر میں یہ کہ جب ایک عالم کہتا ہے کہ وہ کوئی بات نہیں جانتا تو اس طرح کے بیان کو اسے کسی موقف پر قائم رہنے کے سلسلے میں کم تر قرار نہیں دیا جانا چاہیے۔

باب ۲

ثقافتی تبدیلیوں کے ذریعے مقاصد شریعت کا فہم

انسانی تہذیب وثقافت اور ترقی کے فقہی مطالعے (فقہ العمران) کو ایک طویل مدت سے نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ علما کو اسلامی قانونی نظام کے ہدف کی طرف لوٹنا اور تہذیب وثقافت کے متعلق مسلمانوں کی فقہی سمجھ کو بہتر بنانے اور اپنے دین پر ان کے اعتماد کو بہ حال کرنے کی غرض سے ان مقاصد کی روشنی میں اسلام کے اصولوں پر از سر نو غور کرنا چاہیے۔ تہذیبی بے داری و واقفیت کو بڑھانے کے لیے ہمیں یہ بات ہر وقت ذہن نشیں رکھنی چاہیے کہ بہ حیثیت انسان ہماری دوہری ذمے داری ہے کہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں اور زمین کو آباد کر کے اسے ترقی دے کر کمال تک پہنچا دیں۔

مگر ان میدانوں میں ہم بحرانوں سے دوچار ہیں اور ہمارے بحران کی جڑیں ہمارے اپنے دین و مذہب کو اور مذہبیت کے مطلب کو سمجھنے میں ناکامی میں پیوست ہیں۔ ہم ان حقوق وفرائض میں امتیاز کرنے میں بھی ناکام ہیں، جو کسی سماج کی رکنیت کا لازمی حصہ ہوتے ہیں۔ بے داری و واقفیت، منطقی اور وجدانی دونوں لحاظ سے اس امر کو اچھی طرح سمجھنا ہے کہ عملی سطح پر کوئی چیز واقعی امر کو سمجھنے کے لیے کس چیز کا تقاضہ کرتی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے ان قوموں کی مذمت کی ہے (عاد اور ثمود تہذیبوں کا قرآن کریم میں ذکر کیا ہے)، جنھوں نے ایک طرف تو تعمیر، وسائل وذرائع کے استعمال اور اوزار و آلات پیدا کرنے میں زبردست پیش رفت کی، لیکن اللہ کے احکام کو بڑی گستاخی کے ساتھ مسترد کر دیا۔ ان لوگوں کی اخلاقی اور دینی پستی نے انھیں ہلاکت سے دوچار کر دیا۔ عمرانی اداروں کی ذمے داری ہے کہ پوری نوع انسانی کی ترقی کے ذریعے تہذیب وثقافت کو بہتر بنائیں اور اخلاقی و مادی ترقی کے عمل کو فروغ دیں اور نظریات، طرز عمل اور مادی اصلاح کے ذریعے جدید کاری کریں۔ افراد کو اس دنیا میں اپنے

مقام کے لحاظ سے زبردست بے داری پیدا کرنی چاہیے۔

سماج کا تجزیہ اور افراد کے مقاصد کا مطالعہ کرنے کا طریقہ اور اجتماعی تبدیلی، مطلوبہ تبدیلی کے فروغ و اصلاح اور ہمارے معاشرتی بحران کے حل کے بہت ہی مؤثر ذریعے ہیں۔ ابن خلدون کے علم معاشرت کے تصور کی روشنی میں میں نے اسباب وعلل کے ان تعلقات پر توجہ دینے کی کوشش کی ہے، جن پر ابن خلدون نے عمل کیا اور یہ معلوم کیا ہے کہ یہ تعلقات سماج میں موجود پستی پر قابو پانے کے لیے عملی طریقے میں کس طرح بدل سکتے ہیں اور مستقبل کی بے یقینی کی کیفیتوں کا کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ معاشرتی ترقی کے اصول کا مقصد عمل کے پیچھے قوت محرکہ کے طور پر اصول فقہ اور ایک عمرانی مفاہمت کے درمیان پھر سے تعلقات قائم کرنا ہے، جو صحیح اور مناسب عمل کے راستے کی نشان دہی کرے۔

اصول فقہ کی اس شاخ کی پانچ نمایاں خصوصیات ہیں: (۱) اللہ نے نوع انسانی کو اپنی عبادت اور زمین کو ترقی دینے و کام یاب بنانے کے لیے پیدا کیا ہے۔ (۲) اسلامی قانون کا ایک بہت ہی بنیادی مقصد یہ کہ زمین کو اس انداز میں آباد کرنا اور اس پر کاشت کرنا ہے، جس سے نوع انسانی کو استحکام وتقویت اور فائدہ پہنچے۔ (۳) اس قانون کے بہت سے تقاضوں کا تعلق مسلمانوں سے انفرادی حیثیت میں نہیں، بل کہ مجموعی طور پر پوری ملت اسلامیہ سے ہے، جس کا مقصد اس کے کسی ایک فرد پر اضافی بوجھ ڈالے بغیر پوری ملت اسلامیہ کو فائدہ پہنچانا ہے۔ (۴) ملت اسلامیہ کو اعمال اور اقوال دونوں شکلوں میں اچھے کاموں کا مظاہرہ کر کے اور تمام چیزوں میں اعتدال کے راستے پر چل کر پوری دنیا سے پہلے حق کا مشاہدہ کرنے کا ہدف سونپا گیا ہے۔ (۵) اعتدال کے دینی راستے پر چلنے کا قدرتی نتیجہ دنیوی و مادی خوش حالی اور روحانی سکون کے درمیان توازن کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

ابن خلدون نے کہا ہے: ''تہذیب وثقافت (سچی) ترقی کے لیے وبال ہے۔''[6] ایسا اس وقت ہوتا ہے، جب مادی ترقی کسی سماج کو ایسی دولت مندی اور عیش وعشرت کی سطح تک لے آتی ہے کہ وہ اخلاقی انحطاط وتمدنی انتشار کا شکار ہو جاتی ہے اور قوم کی دولت کو ایک ہی مراعات یافتہ طبقے میں ضائع کر دیتی ہے، جو بالآخر ریاست کے زوال کا سبب بن جاتی ہے۔[7] انسانی ترقی کا

اصولِ قانون ایک نئے قانون تک رسائی کا حصہ ہے اور مسلم معاشروں میں بینکنگ، طب ومعالجات، سیاسیات اور انسانی جدو جہد کے دوسرے میدانوں میں ترقی کے لیے اس کی ضرورت ہوتی ہے۔

تاہم کوئی معاملہ خواہ کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو، وہ اس وقت تک کام یاب نہیں ہوسکتا، جب تک اس کو انجام دینے کی ذمے داری لینے والے افراد اپنے ہدف کو پوری طرح نہ سمجھیں اور اپنے کام کو مکمل عمل کی شکل میں شروع نہ کریں، اس لیے کہ مسلمانوں میں اسلام کے بنیادی نظریات کو پھر سے زندہ کرنے اور پھر ان نظریات کو ان کے ذہنوں میں ٹھوس انداز میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کردار کو اس وقت انجام دیا، جب آپ ﷺ نے مدینے میں ایک عظیم ثقافتی تحریک برپا کی، جو بعد میں پوری دنیا میں پھیل گئی۔ ترقی کا یہ سلسلہ گزشتہ چند صدیوں کے دوران مسلم دنیا میں سست پڑ گیا ہے۔ اس لیے انسانی ترقی کے اصول کی بنیاد رکھنے کا مقصد مسلمانوں میں بے داری لانا اور اس طرح انھیں ایک ایسی تحریک سے روشناس کرانا ہے، جس کی انھیں معاشرتی و ثقافتی اصلاح اور تبدیلی کے لیے ضرورت ہے۔

انسانی ترقی کے اصول سے متعلق بے داری پیدا کرنے کے لیے تین بڑے نقطۂ آغاز ہیں: اول اسلامی قانون کے بارے میں مقاصد کی عوامی بے داری کو گہرا کرنا۔ قانونی احکام کو ان مقاصد سے متعلق کرنا اور مسلمانوں کو یہ سمجھنے میں مدد کرنا کہ دنیوی اور اخروی زندگی میں خوشی ومسرت کی راہ کے طور پر دین کی ایک مکمل تصویر کس طرح پیدا کی جائے؟ اس سلسلے میں دل کی گہرائی سے اللہ کی عبادت انجام دینا۔ واضح فکر اور قرآن کی آیتوں کے اظہار کے ذریعے بھرپور سنجیدہ کوشش کرنا۔ ان آیتوں میں خدا پر توجہ دینے کے عمل کو لوگوں کے دلوں سے مخاطب ہونا چاہیے اور انھیں اپنے خالق سے قریب کرنا چاہیے۔

قانونی احکام وفتاویٰ جاری کرتے وقت ان کے اسباب کا ذکر کیا جائے اور ان کے پس پشت معقول مقاصد بیان کرتے ہوئے اسلامی قانون کے مقاصد کے بارے میں لوگوں کو تعلیم دی جائے۔ اس میں سختی اور فوری ضرورت والی صورت حال میں سہولت کے اصول کا اطلاق بھی شامل ہے۔ مزید یہ کہ ممنوعات کو دھیرے دھیرے متعارف کرایا جائے اور جب کسی عملی منصوبے

کو ممنوع قرار دیا جائے تو لوگوں کو مناسب متبادل فراہم کرایا جائے اور خاص طور سے ہمیشہ تبدیل ہونے والی ضرورتوں اور حالات پر نظر رکھی جائے۔ مزید یہ کہ پانچ بنیادی جوہروں کی روشنی میں دینی احکام کی وضاحت کی جائے، جن کی حفاظت کرنا اسلام کا مقصود ہے، یعنی دین، زندگی، عقل، نسل اور دولت۔

دوسرے سائنس، آرٹس اور عمرانیات پر مزید توجہ دیں اور انھیں دین کے قانونی مطالعے کے مختلف میدانوں سے متعلق کریں۔ سائنس، آرٹس اور تہذیب وثقافت کے میدان میں اسلام نے ہمیشہ اور بہت اہم تعاون کیا ہے، جسے فراموش نہیں کیا جانا چاہیے اور یہ کام اسی طرح مسلسل جاری رہنا چاہیے، جیسا کہ ہمارے ان بزرگ پیش روؤں نے دینی بے داری کے دور میں کیا، مسلمانوں کو ان وسائل وذرائع سے لیس رہنا چاہیے، جو تعمیر اور اسلامی طور پر انسانی ترقی کے لیے مطلوب ہیں۔

تیسرے لوگوں کی اس فہم وسمجھ کو بڑھایئے، جس کا مطلب ''گواہی دینا'' ہے، جیسا کہ اللہ کے اس فرمان سے سمجھ میں آتا ہے: ''اور اس طرح ہم نے تمھیں امت وسط درمیانی قسم کی امت بنایا ہے، تاکہ تم اپنے طرز زندگی سے تمام نوع انسانی کے سامنے سچائی اور حقانیت کے گواہ بنو اور رسول تمھارے سامنے اس کے گواہ قرار پائیں'' (البقرہ: ۱۴۳)۔ گواہ کو اس چیز سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے، جس کی اسے گواہی دینی ہے اور دوسروں کے سامنے قابل قبول شواہد اور دلائل پیش کرنے کے قابل اور اپنا پیغام واضح طور پر رکھنے کا اہل ہونا چاہیے۔

باب ۳

اہداف کا شعور اور مذہبی انتہا پسندی کا بحران

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ایمان وعقیدے کے علاوہ جو سب سے بڑی مہربانی کر سکتا ہے، وہ ان کی بہبودی اور تحفظ ہے۔ کسی بھی معاشرے میں حفاظت کے مسئلے کا لحاظ رکھنا شریعت کا بہت ہی بنیادی مقصد ہے۔ اس طرح یہ ہر مسلم حکم راں کی بہت ہی اہم ذمے داری ہے۔ اس لیے وہ تمام اعمال جو معاشرے کو کم زور کریں، اس کے تحفظ کو نقصان پہنچائیں، مسلمانوں اور مسلمانوں کے عدم جارحیت کے معاہدے میں شامل غیر مسلموں کو دہشت زدہ کریں، انسانیت کے خلاف جرم ہیں، اور یہ شریعت کے مجموعی مقصد کے واضح طور پر خلاف ہیں۔ مزید قابل توجہ امر یہ ہے کہ متعصب قسم کے لوگ ممتاز مشہور علما کے بیانات کی تلاش میں اصولِ قانون پر کام کرتے ہیں اور ان بیانات یا واضح صورت حال سے متعلق قانونی احکام کی بنیاد پر اپنے اعمال و کاموں کو انصاف پر مبنی قرار دیتے ہیں، جنھیں وہ اپنی جارحیت اور معاندانہ حرکتوں کے لیے بہانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

قانونی یا فقہی تنگ نظری کی تین قسمیں ہیں، جن سے ملکوں کو کم زور یا تباہ کرنے کا کام اور لوگوں کی حفاظت کے لیے خطرہ پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ قسمیں یہ ہیں: (۱) مذہبی قانونی متن کا ایسا نظریہ جو شریعت کے مجموعی مقاصد کو سمجھنے میں ناکام ہو اور جو قانونی متن سے غلط نتائج اخذ کرتا ہو، جب کہ اس طرح کے نتائج اور اس کے عملی نفاذ سے وابستہ اتفاقات اور نتائج کا کوئی سبب نہیں ہے۔ (۲) جہاد کی ضرورت اور اس کے معنیٰ و مطلب سے متعلق سوالات کی اہمیت کو سمجھنے میں ناکامی۔ (۳) ایسے قانونی احکام جاری کرنے کی غلط سوچ، جو اس طرح کے احکام کے غلط نفاذ کا سبب بن جاتی ہے۔

کشیدگی یا بحران کے وقت سماج میں تحفظ کو برقرار رکھنے کی ضرورت برسر اقتدار لوگوں کو اس امر پر مجبور کر سکتی ہے کہ وہ خطرے کے اسباب کے سلسلے میں زیادہ احتیاط سے کام لیں، اس کی سخت نگرانی کریں اور غلط و برے کاموں سے باز رکھنے کے لیے سخت سزائیں دیں۔ اس طرح کے اقدامات مفید ثابت ہو سکتے ہیں، اگر یہ پوری طرح عملی خطرے کی صورت میں اپنائے جائیں۔ تاہم نظریاتی جرائم کے اس اثبات واثرات کی جنگ میں سب سے مناسب ہتھیار صرف ٹھوس فکر، نا قابل انکار ثبوت اور معتدل، صاف ذہن والے دینی تصورات ہیں جن میں نہ انتہا پسندی ہو اور نہ ہی بے جا نرمی۔

کچھ مسلم معاشروں کو متاثر کرنے والے نظریاتی بحران نے دینی، سیاسی اور سماجی معاملات میں ایک جیسے انتہا پسندانہ نظریات پیدا کیے ہیں۔ اس انتہا پسندی کے اسباب بے شمار اور پر پیچ ہیں، لیکن اس کے نمایاں اسباب میں مسلم قانون کے متن کی صحیح فہم کی کمی اور جہاد کے سلسلے میں شریعت کے مقاصد کو نظر انداز کرنا اور معروف کے حکم اور منکر سے روکنے کا طریقۂ کار شامل ہے، جہاد کی موجودہ کوششوں سے متعلق شریعت کی اصطلاحات میں آج کے جہاد کے لیے جدوجہد کرنے والے بہت سے لوگ قانونی استحقاق کم ہی رکھتے ہیں اور آزادی کے راستے میں فائدہ اٹھانے میں ناکام رہتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ لوگ بہت نقصان کا سبب بنتے ہیں۔

جہاد، جارحیت کے مقابلے کے لیے دینی قانونی اصطلاح ہے۔ جہاد اور اس کا قانونی استعمال ایک تین حرفی مادہ ''ج، ہ، د'' پر مبنی ہے، جو عقیدے کے پیغام کو پھیلانے اور لوگوں کو اسے قبول کرنے کی دعوت دینے کے سلسلے میں کوشش اور جدوجہد کے شعور و احساس کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح جہاد کو دین کے تحفظ، اس کا پیغام پہنچانے اور منتقل کرنے والوں کی حفاظت، مسلم علاقوں کے دفاع اور جارح طاقتوں سے ٹکرانے والے ایک ادارے کی حیثیت حاصل ہے۔[(۸)]

پرامن جہاد کا تصور اور عمل ایک ایسی مثالی سوسائٹی تشکیل دے سکتا ہے، جہاں عام طور سے تحفظ اور استحکام پایا جاتا ہو۔ جہاد کا جو مقصد ہے، اگر اس کو اسی طرح انجام دیا جائے تو یہ اس اصلاحی منصوبے کا ایک لازمی حصہ بن سکتا ہے، جس کو استحصال اور ناکام رسوم وروایات اور طرزِ زندگی کے خلاف جنگ کے لیے اسلام وکالت کرتا ہے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کے اندر

اس کا فہم کم ہو جاتا ہے تو ان کے اندر وہ اخلاقی طاقت وقوت بھی کم ہو جاتی ہے، جس کی حق وصداقت کی تصدیق کی غرض سے اپنی ذمے داری نبھانے کے لیے انھیں ضرورت ہوتی ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصول سماج میں تحفظ اور معروف و بھلائی کے فروغ میں اہم کردار ادا کرتا ہے، جس کا انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر واضح فائدہ ہوتا ہے۔ اس عمل کو فرض کفایہ کے طور پر انجام دیا جانا چاہیے، حالاں کہ یہ ایک فرض عین بھی بن سکتا ہے۔ اس اصول کو ذہن میں رکھنے سے تشریح کے معاملات تنقید کا موضوع نہیں بنتے۔ تبدیلی اسی حد تک ہونی چاہیے، جس کا صورت حال تقاضہ کرتی ہے۔ ہر حال میں برائی سے سب کو نفرت ہونی چاہیے۔ قول اور عمل سے تبدیلی کے اثر کی حد ہر شخص کی صلاحیت اور حالت پر منحصر ہوتی ہے۔ کوئی شخص نیکی کو پھیلانے اور برائی کو روکنے کا اہل ایذا رسانی کے اندیشے یا کسی دوسرے نقصان کی وجہ سے نہیں ہوسکتا۔ اگر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا دو متضاد نظریے ہیں اور یہ معلوم ہو کہ ان میں سے ایک کا کوئی فائدہ نہیں ہے تو اس پر غور ہی نہیں کیا جانا چاہیے۔

شریعت میں مسلح بغاوت کی ممانعت کو ضروری قرار دینے کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ جن لوگوں نے مسلم تاریخ میں اپنے رہ نماؤں کے خلاف بغاوت کی ہے انھوں نے وہ مقاصد شاذ ونادر ہی حاصل کیے ہیں، جن کے لیے انھوں نے بغاوت کی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی کو غیر منصفانہ صورت حال پر صبر وقناعت کر لینا چاہیے، بل کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے کم تر درجے کی برائی کے طور پر اختیار کر لینا چاہیے۔ بہتر یہ ہے کہ صبر اور استقلال کی راہ اختیار کرتے ہوئے نرم روی سے کام لیا جائے۔

باب ۴

مقاصد کا شعور اور مسلم ذہن پر اس کا اثر

مسلم ذہنیت کو سمجھنے اور اس کے زوال کے اسباب کا پتا لگانے کی سخت ضرورت ہے۔ مابعد جدیدیت اور سیکولر انسان پرست فلسفے کے ذریعے ان چیزوں کو سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے، ایسے طریقۂ کار کو فروغ دینے کی ضرورت ہے جس میں مسلم سماج کے لیے موزوں وسائل کا استعمال ہے۔ تحقیقات میں مسلمانوں کی فکر کا تجزیہ اور جائزہ بھی شامل کیا جانا چاہیے کہ مثبت تبدیلی کس طرح لائی جاسکتی ہے اور عصری سماج میں ہونے والی تبدیلی کے ساتھ کس طرح ہم آہنگ ہوا جاسکتا ہے؟ مقاصد کا حوالہ اسلامی قانون کے احکام وضع کرنے کے لیے رہ نمائی اور ضابطے کے طور پر دیا جانا چاہیے۔

علمانے مسلمانوں کے ذہن کی اس خرابی کو جاننے اور اس کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، جس نے مسلمانوں کو منفی طور پر متأثر کیا ہے۔ بعض لوگوں نے مسلمانوں کے زوال کو اللہ کی وحی اور انسانی تشریح کے درمیان، اسلامی قانون اور انسانی روایت کے درمیان اور معقولیت و موضوعاتی تجربے کے درمیان منفی تعلق سے منسوب کیا ہے۔ وہ قرآن اور سنت کو سمجھنے کے لیے روایتی ذرائع، فلسفیانہ شواہد اور پراسرار تشریحات سے متأثر ہوئے۔ مزید یہ کہ قیاسی علم کلام کے دعووں، واضح قانونی یا فقہی دلائل اور مکتب فکر کے حق میں شدت پسند جانب داری، سیاسی ظلم اور ذاتی مفادات، اقتدار کی جنگ کی بے کار بحثوں کے نتائج نے مسلم ذہن کی اصل ترقی کرنے کی اہلیت ختم کردی اور مزید یہ کہ بعض علما نے جو علمیاتی ذرائع اور تحقیقی طریقۂ کار استعمال کیے ہیں، وہ ایک سیکولر علمی وفکری ماحول سے اخذ کیے گئے ہیں، جہاں فیصلہ کن نتائج نہ تو راست قرآن وسنت کے نصوص پر مبنی ہیں اور نہ ہی ان فقہی اصولوں پر مبنی ہیں جو ان دو بنیادی ماخذات سے حاصل کیے جاتے ہیں۔

مسلم ذہن کے زوال کے ان مختلف اسباب کی روشنی میں مجھے یقین ہے کہ آگے کا بہترین

راستا مقاصد پر مبنی طریقۂ کار کا استعمال ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس طرح کا طریقۂ کار مسلمانوں کی فکر اور عقلیت پسندی میں پھر سے جان ڈال دے گا۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مقاصد شریعت طریقۂ کار کے طور پر وہ ربط فراہم کرتے ہیں، جو اسلامی قانون کی تمام شاخوں کو متحد کر دیتا ہے۔ یہ کیفیت رسم و رواج، روایت، سماجی زندگی، فقہی معاملات اور تمام دیگر امور کی سطح پر پیدا ہوگی۔ دوسرے مقاصد شریعت کو ہمہ گیر حیثیت میں دیکھتے ہوئے اصولوں پر مشتمل سلسلہ مختلف چیزوں کے متعلق کسی فرد کے فہم کو ضابطے میں لانے کا کام کرتا ہے اور انسانی وجود کے اصل مقاصد کی وضاحت کرتا ہے، جس میں وہ راستا بھی شامل ہے، جس میں کسی کو رہنا چاہیے اور جس کا دوسرے لوگوں سے زندگی میں کسی کے حالات اور کائنات کے قوانین سے تعلق ہوتا ہے۔ تیسرے لوگ ہر جگہ کائنات میں ایک اعلیٰ قوت کی تلاش کا فطری رجحان رکھتے ہیں، تاکہ اپنے لیے کوئی مادی فائدہ طلب کیے بغیر اس قوت کے سامنے خود سپردگی کر دیں اور اس کی ہدایات و ممنوعات میں اس کی اطاعت قبول کر لیں۔ یہ وہ میدان ہے، جس میں اللہ و انسان اور جنت و دنیا کے قانون کام کرتے ہیں۔

چوتھے، مقاصد شریعت پر لکھے گئے علمی کارناموں کی تحقیق سے پتا چلتا ہے کہ ان مصنفوں نے اسلامی فقہ یا قانون کے ہمہ گیر اصولوں کے ساتھ پھر سے تعلق قائم کر کے اور قانونی یا فقہی تحقیق میں اپنا کردار ادا کر کے، نیز نئی ابھرتی صورت حال سے متعلق احکام جاری کر کے دینی اور سماجی مصلحین کے طور پر کام کیا ہے۔ پانچویں، داخلی انتشار، فرقہ بندی، کم زوری اور بے خبری و عدم واقفیت، جس نے موجودہ حالات میں امت مسلمہ کو اذیتوں سے دوچار کیا ہے، ناگزیر امور سے مسلمانوں کی توجہ ہٹا دی ہے اور ان کی تخلیقی و پیداواری اہلیت و صلاحیت سے محروم کر دیا ہے، اس صورت حال کا تقاضا ہے کہ ہم جلد از جلد شریعت اسلامی کے ہمہ گیر اور بنیادی اصولوں کو بحال کرنے پر توجہ دیں۔ چھٹے، مسلمانوں کی خرابیوں اور انداز فکر کی اصلاح کر کے مقاصد شریعت پر زور دیا جائے، جو ہمیں معقول اصول فراہم کر کے کسی بھی سمت میں ان انتہا پسندیوں کی طرف جانے سے روک سکتے ہیں، اور یہی اصول ہمیں فریب نظر، احمقانہ قیاس آرائیوں، ناکافی دلائل کے حامل بے بنیاد نظریات و خیالات سے بھی بچا سکتے ہیں۔

اسلامی معقولیت اور عصری فلسفے پر اس کے اثرات کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس امر کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے کہ اس وقت مادہ پرستی بہت بلند سطح پر پہنچ گئی ہے اور اس کا زوال یقینی ہے۔ بعض معاصر فلسفیوں کے مطابق عقل پرستی، سیکولر انسانیت پرستی اور مادہ پرستانہ نظریے کا زوال ناگزیر ہے۔ فلسفہ رد تشکیل کے پھیلاؤ سے معقولیت پرستی پر تنقید کی آگ بھڑک چکی ہے اور اس کی تباہی قریب آ چکی ہے، جو تمام مستقل معانی وحقائق کو موت کے گھاٹ اتار دے گی۔ کہا جاتا ہے کہ جیک دریدا (Jacques Derrida) مائیکل فوکو (Michel Foucault) اور دوسرے جدید مغربی مفکرین نے نظریہ رد تشکیل کو انسانی تاریخ کے پس ساختیاتی مرحلے کے طور پر پیش کرنے میں اہم کام انجام دیا ہے، جو مابعد جدیدیت کے فلسفوں کو پوری طرح بے معنیٰ کر دیتی ہے۔

دینی اور مابعد الطبیعاتی یا الٰہیاتی غور وفکر کے لیے مابعد جدیدیت کے فلسفے میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ مابعد جدیدیت کا دعویٰ ہے کہ کائنات بغیر اصل یا مقصد کے صرف مستقل حرکت کا نام ہے اور یہ کہ کائنات کے بے بنیاد مابعد الطبیعاتی نظریے میں محض صداقت، سچائی، یقین اور جوہر جیسے الفاظ اور نظریاتی محرک شامل ہوتے ہیں۔ کوئی مرکزی نظام ایسا نہیں ہے، جس میں سب شامل ہوں، بل کہ صرف خود کو احاطے میں لینے والے نظام ہیں، جن میں سے ہر ایک خود اپنے گرد چکر لگاتے ہیں۔

مابعد جدید فکر نا قابل بحث حقیقت کی حیثیت والی کوئی چیز نہیں ہے، بل کہ صرف وہ حقائق ہیں، جو خود انسانوں نے بنا لیے ہیں۔ جنھوں نے اس کی پروا کیے بغیر کہ یہ کتنے انوکھے یا مغالطے آمیز ہو سکتے ہیں، خود اپنے پسند کی چیزیں منتخب کر لی ہیں۔ مزید یہ کہ مابعد جدیدیت کے فلسفے میں اخلاقی نظام نہ کوئی واضح اقدار پر مبنی غور وفکر کا موضوع ہے نہ اس کا کوئی متعینہ معیار ہے کہ اس کا احترام ولحاظ کیا جائے اور نہ ہی تہذیبی وثقافتی اور دینی بنیادوں پر اتفاق رائے یا اجماع پر مبنی ہے۔ اس کے بجائے مابعد جدیدیت اخلاقیات، تحفظ، معاشیات اور ذرائع ابلاغ وغیرہ کے میدانوں میں محدود، عارضی جواز کے سمجھوتوں پر مبنی ہے اور اس کا حکم افراد یا سماج کے حاکم یا ادارے دیتے ہیں۔

مابعد جدیدیت کی سیاست نے ایک نئے عالمی نظام کے قیام میں مدد کی ہے، جسے عالمی سرمایہ دارانہ نظام نے آگے بڑھایا ہے اور جس کا مقصد ملکوں کو کثیر قومی کارپوریشن کھولنے اور ان کے سیاسی ممتاز افراد کو سرمایہ کاری کا حصہ دار بنانے اور ان کی آبادی کو صارفین میں بدلنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ عمل جمہوری ترقی اور دینی، ثقافتی اور قومی شناخت کی جڑیں کاٹ دیتا ہے۔

مابعد جدیدیت فلسفے کے ان پہلوؤں نے عرب اور مسلم تہذیب وثقافت اور فکر پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اس فلسفے اور سیاسیات کے مطابق اس امر کی کوششیں کی گئیں کہ قارئین کی خواہشات اور تمناؤں کے مطابق قرآن کے متن کی از سرنو تشریح وترتیب کی جائے، اس فلسفے کے نقطۂ نظر سے سنت کو اس بہانے سے دور رکھا گیا کہ یہ ایک انسان کے اقوال واعمال پر مبنی ہے، جو ہم سے مختلف نہیں، بل کہ ہماری ہی طرح ہے اور یہ کہ پیغمبر ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کے دور میں جو حالات پائے جاتے تھے، وہ خود ہمارے دور سے بہت مختلف تھے۔ اب یہ ہمارا کام رہ گیا ہے کہ مسلم ذہنیت کی تشکیل کے لیے ان تبدیلیوں کے تعلق کی ایک ایسے دور میں وضاحت کریں، جس میں سبب کے بنیادی کردار پر سوال اٹھائے جارہے ہیں۔

باب ۵

مقاصد کے شعور کا بحران اور معاشرتی عمل پر اس کا اثر

اسلامی قانون یا فقہ کے اہداف بعض صورتوں میں ضرورت سے زیادہ سختی کا اور بعض صورتوں میں ضرورت سے زیادہ نرمی کا سبب ہوتے ہیں اور ان کے نتیجے میں ایسی برائیاں بھی سامنے آتی ہیں، جن کا وزن مطلوبہ مفادات سے زیادہ ہو جاتا ہے۔ حسب ذیل بحث میں اس مسئلے کا جائزہ لیا گیا ہے اور شعور کو بے دار کرنے کی راہیں پیش کی گئی ہیں اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ دینی بے داری دینی انتہا پسندی کا مقابلہ کرسکتی ہے اور پیار و محبت اور یک جہتی و ہم آہنگی پھیلا سکتی ہے یا مقصد حسن و خوب صورتی اور جمالیات کے قیام میں مددگار رہوتی ہے۔ نیز معاشرے میں مسلم خاتون کے کردار کو تسلیم کرنے میں مدد کرتی ہے۔

نظریاتی انتہا پسندی معاشرے کے لیے ایک بڑا خطرہ پیدا کرتی ہے۔ دینی انتہا پسندی کا مقابلہ کرنے کے لیے فقہ کے احیا اور ایک ثقافتی ارتقا کے اصول کی اشاعت کو ترجیح دینی چاہیے۔ اس طرح سے جدید دور میں پیدا شدہ انتہا پسندی اور ان بحرانوں سے نمٹنے کی کوشش کی جاسکتی ہے۔ ہمارے تعلیم یافتہ ممتاز افراد کو خود کو احیا کے اصول قانون کے فروغ سے متعلق کرنا چاہیے اور خود کو تلخیوں سے محفوظ ایسے مقامات میں محدود کر لینے کے بجائے، جن سے وہ عارضی نظریات بنا سکیں اور انھیں فروغ دے سکیں، مختلف قسم کے ترقیاتی راستے اختیار کرنے چاہئیں۔

مثال کے طور پر فرصت کے اوقات کے استعمال اور کھیل کود کے سلسلے میں مسلم فکر پر ایک بہت ہی احتیاط پسندانہ نقطۂ نظر غالب رہتا ہے۔ تاہم ایسے قوانین بنانے کا ایک ہدف، ممنوعہ اعمال کے جائز متبادل فراہم کرنے کی ضرورت ہے، جس کا تعلق لوگوں کی زندگیوں سے ہے۔ ہمیں فوری طور پر کچھ ایسے اعمال کا پھر سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے، جنھیں ماضی میں اس اندیشے کے تحت ممنوع قرار دے دیا گیا تھا کہ یہ دوسرے ایسے اعمال کا سبب بن سکتے ہیں، جنھیں

اسلامی شریعت میں واضح طور پر ممنوع قرار دیا گیا ہے۔اس کی مثالوں میں مردوں اور عورتوں کے لیے کھیل کود کی مختلف شکلیں شامل ہیں۔اسی طرح بامقصد آرٹ، تفریحی عادتیں، تعلیمی کھیل، سفر، سیر وسیاحت اور دیگر امور کا معاملہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ کی سنت، تفریح اور فرصت کے اوقات کے استعمال کی مختلف صورتوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے۔آپ ﷺ نے کئی حبشیوں کو اپنی مسجد میں ان کے کھیلوں کی مشق کی اجازت دی۔آپ ﷺ نے دونوجوان لڑکیوں کو حضرت عائشہؓ کے لیے گیت گانے کی بھی اجازت دی اور گڑیوں سے کھیلنے کی بھی اجازت دی۔ نیز فرصت کے اوقات کے استعمال، مزاح، بھاگ دوڑ اور تفریح کی کئی دوسری قسموں کو بھی جائز قرار دیا، جو سب کی سب یہ ظاہر کرتی ہیں کہ جس طرح ہمارا دین سنجیدگی، جدوجہد اور محنت ومشقت پر زور دیتا ہے، وہ تفریح، لطف اندوزی اور تکان کے وقت سستانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔

انتہا پسندی پر قابو پانے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ہم شہریوں کے ذہنوں میں حب الوطنی کے شعور کو زندہ اور اسے پختہ کریں۔لوگوں کے دل ودماغ میں ان کے عظیم مقصد وجود یعنی اللہ کی عبادت کے تصور کو گہرائی کے ساتھ پیوست کردیں کہ اس کی واقفیت اس راستے پر اثر انداز ہوگی، جس کے مطابق وہ زندگی گزارتے ہیں اور ہمیں لوگوں کے اپنے روحانی مرکز سے وابستگی کے شعور کو گہرا اور مستحکم کرنے کی ضرورت ہے، جسے اللہ نے ایک ایسے مقام کے طور پر منتخب کرکے اعزاز بخشا ہے کہ جہاں اس نے نوع انسانی کے لیے اپنا آخری وقطعی پیغام نازل فرمایا اور جس کی طرف تمام مسلمان روزانہ نماز میں رخ کرتے ہیں۔

مزید یہ کہ ایسے قوانین اور طرز فکر وضع کرنے کی ضرورت ہے، جو انفرادی طور پر شہریوں کی زندگیوں کو ایک نظام کے تحت لائیں اور معاشرے کے معاملات کو درست کریں۔اس طرح کے طرز فکر اور قوانین کسی بھی سماج کی ترقی کے لیے شرط اولین کی حیثیت رکھتے ہیں، کیوں کہ یہ سماج کے اصولوں کو شہریوں کے حقوق وفرائض کے سلسلے میں ایک خاص شکل عطا کرتے ہیں۔ کسی بھی محبّ وطن ذہن کی ایک بنیادی ضرورت یہ ہے کہ تعلیم اور ذرائع ابلاغ کے ادارے انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر شعور کو بڑھانے کے لیے اپنی ذمے داریاں انجام دیں۔ ہمارے تعلیمی

ادارے ہر فرد کی کردار سازی اور مطلوبہ ثقافتی شعور اس کے ذہن نشیں کرنے کے لیے ایک با مقصد منصوبہ بنانے کے ذمے دار ہیں۔

پیار اور محبت کے احساسات کے لیے میدان بہت زیادہ تنگ ہو گئے ہیں۔ ایسے بہت سے لوگ ہیں، جو اپنی محبت کا اظہار اپنی حد تک اور اپنے قریبی لوگوں تک محدود رکھتے ہیں، جب کہ وہ سماج کے دوسرے ارکان کے معاملات میں بالکل غیر متعلق رہتے ہیں۔ اس کی ایک بہترین مثال قبائل پسندی ہے۔ اس کے باوجود لوگوں کی اپنے قریب ترین لوگوں سے محبت، اکثر قول و فعل میں ظاہر نہیں ہوتی، جن میں ان کے ازدواج، اولاد اور بھائی بہن شامل ہیں۔ دراصل گھر و خاندان کے انتشار سے دوچار ہونے کا سب سے بڑا سبب بیویوں اور نوجوان لڑکیوں کے لیے محبت کی کمی یا ان کے لیے پیار کے اطمینان بخش اظہار میں ناکامی ہے۔

مجھے اس جذباتی محبت پر بہت زیادہ حیرت ہوتی ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دکھائی، جب آپ اپنی مسجد میں خطبہ دے رہے تھے تو آپ کے دونواسے حسن اور حسین داخل ہوئے اور آپ کو منبر سے نیچے اتر آنے پر مجبور کر دیا۔ آپ ﷺ نے انھیں اپنے بازوؤں میں لے لیا اور ان کے رخساروں پر بوسہ دیا۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز وہ طرز عمل ہے، جو آپ نے جانوروں اور بے جان اشیا سے محبت میں ظاہر کیا۔ جب آپ احد پہاڑ پر چڑھے تو فرمایا: ''یہ ایک ایسا پہاڑ ہے، جو ہم سے محبت کرتا ہے اور بدلے میں ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''(۹)

''درحقیقت اللہ جمیل ہے اور جمال کو پسند فرماتا ہے۔''(۱۰) رسول اللہ کا یہ ارشاد مسلمانوں سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حسن و جمال کا مشاہدہ کریں۔ اسے سمجھیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے سارے نظام کائنات کو پھیلایا ہے، تاکہ اسے خود اپنے اندر پالیں، فروغ دیں اور جب اس کا اظہار نہ ہو تو اسے اپنے دماغوں کی آنکھوں سے دیکھیں۔ حسن و جمال کے اس طرح کے تصورات کا عظیم ترین اثر اس شخص پر ہوتا ہے، جو ان کا تجربہ کرتا ہے اور بہت ہی واضح طور پر یہ اس کے افکار و رویے میں ظاہر ہوتا ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ نظام کائنات کے قوانین اور حقیقت کے ساتھ ہم آہنگی میں رہنے کے قابل ہوتا ہے۔ تبدیلی اور قلب ماہیت میں حسن و جمال کے کردار کو

اصلاحی کوششوں میں نظر انداز کر دیا گیا ہے، خاص طور سے جیسا کہ مشاہدہ ہے، مسلمان فنون لطیفہ، ذاتی تجربات اور جمالیاتی شعور کے فروغ کی کوششوں سے بہت دور ہیں۔ جمال اور کمال اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم اور جمال کے اثرات اپنی تخلیقات میں دیکھنا چاہتا ہے۔تب اسلامی قانون اور عام شعور دونوں ہدایت دیتے ہیں کہ شان دار نقشے ہمارے تمام معاملات میں ظاہر ہونے چاہئیں۔

شریعت کو بھی ہمارے اچھی طرح کام کرنے، بہتر صحت قائم رکھنے اور ظاہر کو صاف ستھرا رکھنے سے دل چسپی ہے، جو کہ سب کے سب اس حقیقت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ بیرونی حسن وجمال قانون وفقہ کا ایک اہم ہدف ہے۔ بہ صورت دیگر ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟ جب کہ اللہ کی تخلیق کے حسن وجمال کو غور سے دیکھنے اور مشاہدہ کرنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ آسمان، ستاروں، پہاڑوں اور دریاؤں، پھولوں اور حیوانوں کے سلسلے میں واضح ہے۔حسن وجمال، کردار کے انداز اور شائستگی میں نرمی پیدا کرتے ہیں، جب کہ پختگی اور انتہا پسندی کے رویے کو سخت کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی یہ دوسرے لوگوں کی ناکامی اور غلطیوں کو دیکھنے کی بجائے ان کی پاک دامنی اور حالات کو بہتر دیکھنے کی خواہش کو بڑھاتے ہیں۔حسن وجمال سے پیار ومحبت کرنے والا خود کی کم زوری اور بے عزتی ورسوائی اور غلامی وخشک مزاجی وبدخوئی نہیں کرتا۔دراصل ہمیں جمالیاتی اقدار کی اصلاح کرنے کی ضرورت ہے، جو خود ہمارے اندر اور دوسروں میں بھی پیار ومحبت اور نرمی کے جذبات کو زندہ کرسکیں اور ان داغ دھبوں کو دور کرسکیں جو نفرت اور تشدد نے چھوڑے ہیں، جنھوں نے زندگی کی خوب صورتی اور اس کے حسن وجمال کو تباہ کردیا ہے اور تمام زندہ چیزوں کے باہمی روابط وتعلقات کو خراب کردیا ہے۔

اس مسئلے پر بھی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ عورتوں سے متعلق قانونی مسائل پر توجہ دینے والی ایک فقہ ظہور پذیر ہوئی ہے، اس میں ایسے معاملات پر زور دیا گیا ہے کہ کیا انھیں ڈھیلے ڈھالے، لہراتے ہوئے بیرونی کپڑے پہننے کی ضرورت ہے؟ کیا انھیں ڈرائیونگ کرنے یا بغیر محرم (کسی عورت کا قریبی وخونی رشتے دار، جس سے اس کا نکاح ممنوع ہو) سفر کرنے کی اجازت دے دینی چاہیے؟ ان مسائل کی اہمیت کے باوجود انھیں ان فیصلہ کن اور قطعی معاملات پر ترجیح نہیں

دی جانی چاہیے، جن پر کم توجہ دی جا رہی ہو، جیسے عورتوں کے مختلف حقوق، ترقی میں ان کا کردار اور سماج کے اداروں میں ان کی شرکت و حصے داری۔ اس رجحان نے عورتوں کے کردار کو محدود کر دیا ہے اور ان کی قوتیں اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی ہیں ہمیں اپنا رویہ بدلنے کی ضرورت ہے، جس کے باعث ان کی یہ حالت ہوگئی ہے۔ ہمیں خود کو ان ترقی پسند ترقیاتی منصوبوں میں مصروف کرنا چاہیے، جو دنیا کے لیے بہت زیادہ اہمیت والے میدانوں میں نئے مواقع کھولتے ہیں۔

مزید یہ کہ اہم افکار اور تعلیم یافتہ مسلم خواتین کے سلسلے میں مثبت سوچ کے محدود مواقع بے شمار ترقی پسندانہ اقدامات میں رکاوٹ پیدا کر سکتے ہیں۔ درحقیقت ہم ایک ایسی بے داری کی امید رکھتے ہیں کہ شریعت اور اس کے اہداف اپنی اصل شکل میں سامنے آجائیں اور وہ ایسے عملی نظریات پیش کر دیں، جو ان منصوبوں پر نافذ ہو جائیں، اور سماج میں عورتوں کے کردار کو آگے بڑھا دیں۔ یہ نظریات قائم کرنے والوں کے لیے وقت ہے کہ وہ پریشانیوں سے بچیں اور آزادی، انصاف، مساوات، احیا اور ثقافت کے ترقی یافتہ تصورات کے راستے میں اصل تعمیر کے کام میں حصہ لیں۔

اختتامیہ

اس موقعے پر کئی سوالات سامنے آتے ہیں۔ آخر مسلمان نئے افکار کی پیشکش یا سماجی اور فلسفیانہ تجزیے پر مبنی ہمارے جاری بحرانوں کے معروضی علاجوں سے اس قدر اندیشہ کیوں محسوس کرتے ہیں، حالاں کہ یہ ہمیں اپنے دین کی طے شدہ اقدار کے مطابق ان نئے نظریات کی قبولیت یا عدم قبولیت یا ان کی تصدیق کا مجاز قرار دے دیتے ہیں؟ ہم ہمیشہ کسی مفکر کو دین کا مخالف اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنے والا کیوں قرار دیتے ہیں، خاص طور پر ایک ایسے وقت میں جب کہ بہت سے ملحد و مفکر اسلام کی طرف لوٹ رہے ہیں اور جدید عقلیت پسندی کو مسترد کر رہے ہیں؟ کیا کچھ مفکروں کی تاریخی منفی صورت حال نے ہمیں ان منصوبوں کی تبدیلی یا اصلاح کے نظریات سے فائدہ اٹھانے کے بھی خلاف کر دیا ہے، جو دنیا کے دوسرے حصوں میں مشترکہ انسانی اقدار کی بنیاد پر وضع ہو کر نافذ ہوتے ہیں، اور جو توجہ اور اطلاق کے اعتبار سے بہتر ہیں۔

عام لوگوں کو بہتر فہم میں مدد کرنے اور مقاصد شریعت کو عام کرنے اور اس فہم کی روشنی میں نئی ابھرتی ہوئی صورت حال پر ماہرین قانون وفقہا کو احکام وضع کرنے میں مدد وتعاون دینے کے لیے اس موضوع پر مزید تحقیق کرنے اور لکھنے کی ضرورت ہے۔ مقاصد شریعت مسلم عقیدے کی تمام شاخوں کو اپنے دائرے میں لے لیتے ہیں اور یہ تمام اسلامی احکام کو اپنے تحت کر لیتے ہیں، جو مسلمان ان مقاصد کو سمجھتا اور جانتا ہے کہ اسلامی قانون کے مجموعی نقشے سے ان کا کیا تعلق ہے تو وہ انحراف کے خلاف حفاظتی انتظامات کرے گا اور ایسے اعمال کی بے داری پر زور دے گا، جن کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ وہ یہ بات جان جائے گا کہ کسی خاص صورت حال میں کون سے اعمال کو فروغ دیا جائے اور کسے معقولیت کے ساتھ مؤخر کیا جا سکتا ہے؟ اس طرح وہ مردوں، عورتوں اور بچوں کے لیے شریعت کے مفادات اور خوشی ومسرت کو واضح طور پر سمجھ لے گا، جو مقاصد شریعت کے فہم پر مبنی دین کے شعوری عمل سے حاصل ہو سکتے ہیں۔

مصنفِ کتاب

مصنف مسفر بن علی القحطانی اس وقت شاہ فہد یونی ورسٹی آف پٹرولیم ومعدنیات ظہران، سعودی عربیہ میں اسلامی اصول فقہ کے استاذ ہیں۔

حواشی

۱۔ ابواسحاق ابراہیم ابن موسیٰ ابن محمد لخمی شاطبی، **الموافقات**، مقدمہ: بکر ابن عبداللہ ابوزید، متن کی تدوین، تعارف، تشریح اور احادیث کی تخریج: ابوعبداللہ مشہر ابن حسن سلمان (الخبر: دار ابن عفان، ۱۴۱۷ہجری/ ۱۹۹۷عیسوی)، جلد:۲، ص:۳۰۰

۲۔ ملاحظہ کریں: نورالدین علی ہیثمی کی کتاب **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد** (بیروت: دارالکتب العلمیة، ۱۴۰۸ہجری/ ۱۹۸۷عیسوی)، جلد:۳، ص:۱۶۲ طبرانی نے اسے **الکبیر** میں درج کیا ہے۔ اس کی سند میں تمام راوی معتبر ہیں۔ جلال الدین عبدالرحمٰن ابن ابو بکر سیوطی کی **صحیح الجامع الصغیر وزیادته (الفتح الکبیر)**، جمع وترتیب: محمد ناصر الدین البانی، جلد:۱، ص:۳۸۳، حدیث نمبر:۱۸۸۵

۳۔ ملاحظہ کریں: شاطبی کی **الموافقات**، جلد:۵، حاشیہ، اور محمد دسوقی کی **الاجتهاد والتقليد فی الشريعة الاسلامية**، (دوحہ: **دار الثقافة**، ۱۹۸۷)، ص:۲۳۳

۴۔ ملاحظہ کریں: عدنان محمد جمعہ کی **رفع الحرج فی الشريعة الاسلامية**، (دمشق: **دار الامام الجاری**، ۱۹۷۹)، ص:۲۵

۵۔ محمد بزمول: **تغير الفتوى** (**الثقبة: دار الهجرة**، ۱۴۱۵ہجری/۱۹۹۴عیسوی)، ص:۵۶

۶۔ ابوزید عبدالرحمٰن ابن محمد ابن خلدون، **المقدمة**، جلد:۳، ص:۸۷۷

۷۔ ملاحظہ کریں: محمد عابد جابری کی **فکر ابن خلدون: العصبية والدولة: معالم نظرية خلدونية فی التاريخ الاسلامی**، ساتواں ایڈیشن (بیروت: **مركز دراسات الوحدة العربية**، ۲۰۰۱)، ص:۲۳۳

۸۔ ملاحظہ کریں ابوالعباس احمد ابن عبدالحلیم ابن تیمیہ حرانی کی **مجموع الفتاوى شيخ**

الاسلام احمد ابن تیمیة، تدوین وترتیب: عبدالرحمٰن ابن محمد ابن قاسم عاصمی نجدی حنبلی، اپنے صاحب زادے محمد کے تعاون سے (ریاض: **مطابع الریاض**، ۱۳۸۱-۱۳۸۳ہجری/ ۱۹۶۱-۱۹۶۳عیسوی)، جلد: ۶، ص: ۳۹۶

۹۔ صحیح بخاری، حدیث نمبر ۴۰۸۳/ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۱۳۹۲

۱۰۔ صحیح مسلم، حدیث نمبر ۹۱

انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کی مختصر کتابوں کا سلسلہ ادارے کی اہم اشاعتوں کا ایک قابل قدر مجموعہ ہے، جنھیں خلاصے کی شکل میں اس لیے تحریر کیا گیا ہے کہ قارئین کو اصل کتاب کے اہم مضامین کے بارے میں بنیادی واقفیت ہو جائے۔

”مقاصد شریعت کا فہم-عصری تناظر میں“ دراصل اسلامی احکام کے اعلیٰ اغراض و مقاصد سے مطابقت رکھنے والے قانونی وفقہی شعور کو فروغ دینے کی دعوت دیتی ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی نصوص کو سمجھنے کے لیے ایک نیا طریقۂ کار وضع کیا جائے اور مسلم افکار اور ان کے اخلاق کی اصلاح کی جائے۔ شیخ قحطانی نے شریعت کے بنیادی مقاصد (المقاصد الأصلية) اور ثانوی مقاصد (المقاصد الطبعية) کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے، اس بات پر زور دیا ہے کہ مقاصدِ شریعت کا مثبت فہم مسلم معاشروں میں ایک مثبت انسانی، بل کہ ثقافتی ارتقا کو جنم دے سکتا ہے۔

اس کتاب کی اشاعت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ شریعت کے ہمہ گیر مقاصد کی روشنی میں فقہ کے مختلف پہلوؤں، مسائل کے استنباط اور فتاویٰ جاری کرنے کے عمل کو مضبوط بنایا جاسکے اور اُن سماجی مسائل کی اہمیت کو سمجھا جاسکے، جن کا سامنا مسلم معاشروں کو کرنا پڑ رہا ہے۔ مزید یہ کہ خواتین کے مقام و مرتبے، ان کے متعلق افراط و تفریط کے رویے، قوانین شریعت کے غلط استعمال، مسلم ذہن کے المیے اور مذہبی شدت پسندی کے مقابلے کی راہ ہموار ہو سکے۔

Al-Ittehad Publications Pvt. Ltd

Al Ittehad Publication Pvt. Ltd.
B-35 (LGF), Nizamuddin West, New Delhi-110013
Ph.: +91-11-41827475, 9315177399
e-mail.: alittehad@gmail.com

978-93-80946-35-1